ہفت روزہ

پاک جمہوریت

لاہور

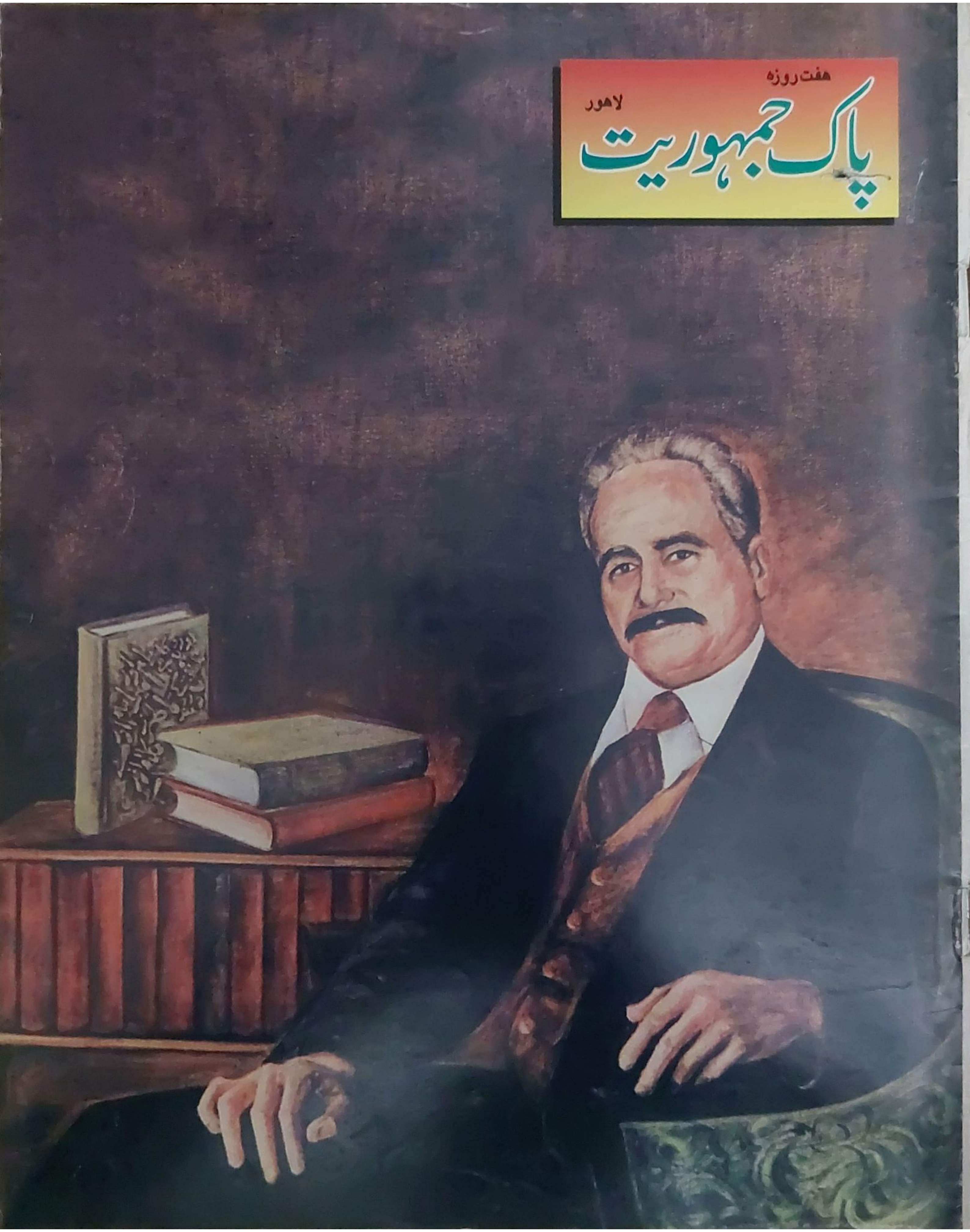

علامہ محمد اقبال

سردار بیگم

اقبال اور بیگماتِ اقبال

کرم بی بی

مختار بیگم

سال علامہ اقبال
۲۰۰۲ء

یا مری آہ میں کوئی شرر زندہ نہیں
یا ذرا نم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے
کیا عجب میری نوا ہائے سحر گاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے
(بال جبریل)

ہفت روزہ
پاک جمہوریت
لاہور

نگران اعلیٰ: میاں شفیع الدین
نگران: نذر محمد
مدیر اعلیٰ: پروین ملک
مدیر: محمد ضیاء آفتاب
انتظام: بشریٰ بشیر
تزئین: عزیز احمد ہمدانی
رفیق احمد، محمد یونس، نصرت جہاں غوری، محمد ناصر

جلد نمبر 43 شمارہ نمبر 16

20 تا 26 نومبر 2002ء

قیمت فی شمارہ -/5 روپے
سالانہ چندہ -/100 روپے

محکمہ تعلیم سے منظور شدہ

حکومت پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں اور لائبریریوں کے لئے منظور شدہ

فہرست

دعا	ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ	۲
حضور رسالت مآبؐ میں	ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ	۳
علامہ اقبالؒ اور عشق رسولؐ	محمد طارق انور	۴
عصرِ حاضر علامہ اقبالؒ کی نظر میں	ڈاکٹر آغا یمین	۹
اقبالؒ اور اسلامی نشاۃِ ثانیہ	حامد علی نقوی	۱۱
اقبالؒ کا نظریہ اسلام اور آج کے مسلمان	محمد طارق	۱۲
اقبالؒ کا نظریہ ملت	شفیق احمد عزیز	۱۵
اقبالؒ اور برطانوی نظامِ تعلیم	بشارت مجید فیضی	۱۸
علامہ اقبالؒ کی وفات پر اولین اردو نظم	ڈاکٹر محمود الرحمٰن	۲۰
حکیم الامت کی زندگی کے چند غیر معروف پہلو	کاثر حقانی (مرحوم)	۲۳

فون نمبر 6305316 - 6305906
فیکس نمبر 6305906 -042

ادارہ مطبوعات پاکستان نے کوثر برادرز پرنٹرز ایجنٹ نمبر 1 فرزند لاہور سے چھپوا کر A-32 حبیب اللہ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

دعا

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خود داریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دلِ صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے!

حضور رسالت مآب ﷺ میں

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا

قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی، لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھکو
حضورِ آیۂ رحمتؐ میں لے گئے مجھکو

کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز!
کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز

اڑا جو پستیٔ دنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

"حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"

علامہ اقبالؒ اور عشقِ رسولؐ

محمد طارق نور

زندہ قومیں اپنے اسلاف، دانشور اور مفکروں کی
تعلیمات اور رشحات کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھتی ہیں

بیسویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند کے
اندر جن شخصیات نے نام کمایا جنھوں نے اپنے افکار و

نظریات کی اب تک لگاتار توضیحات وتشریحات ہو
رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ اقبال کو سمجھنا اور اقبال

عقائد، افکار اور نظریات سے واقف ہو سکے اور پھر ان کے افکار، نظریات پر نئی نسل کی تربیت کی جائے ان کی صحیح راہنمائی کی جائے۔

جب ہم کلام اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر آشکار ہوتی ہے کہ علامہ اقبال بھی دیگر علماء محدثین کی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت کو مقصود کائنات قرار دیتے ہیں وہ اپنے اشعار میں اس عقیدے کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا بھی نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
(بانگ درا)

ایک اور جگہ علامہ حدیث ''لولاک'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تیرے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہین شہہ لولاک ﷺ ہے تو!
(کلیات اردو بال جبریل)

(ترجمہ: فرشتے اور حوریں تیرے معمولی شکار ہیں۔ اس لئے کہ تو شاہ لولاک ﷺ کا پالا ہوا شاھین ہے)

دوسری بڑی اہم بات جو کلام اقبال سے ملتی ہے کہ علامہ اقبال حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت کو ایمان کا مرکز و محور گردانتے ہیں وہ حضور ﷺ کی ہستی کو ایمان کا ماحول قرار دیتے ہیں آپ ﷺ کی ہستی کو جان ایمان سمجھتے ہیں بلکہ آپ ﷺ سے محبت کو مغز قرآن قرار دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

مغز قرآن، روح ایمان، جان دین
ہست حب رحمۃ اللعالمین

علامہ اقبال پھر آپ ﷺ کی محبت کو ہی دین قرار دیتے ہیں اور آپ ﷺ سے وابستگی کے بغیر سب بولہبی خیال تصور کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ علامہ اقبال عشق و مستی میں ڈوب کر کہتے ہیں۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
(بال جبریل)

یہاں دوسرے شعر سے پتہ چلا کہ علامہ اقبال کا بھی یہی نظریہ اور عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اس لئے تو وہ فرما رہے ہیں کہ ''وہی اول وہی آخر'' پھر علامہ کا اشارہ ترمذی کی مشہور حدیث کی طرف ہے ''جس میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کب نبی تھے تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا کہ جب آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ اسی خیال کو علامہ اقبال نے ایک اور جگہ یوں بیان کیا ہے۔

یعنی آں شمع شبستان وجود
بود در دنیا و از دنیا نبود
جلوہ می او قدسیاں را سینہ سوز
بود اندر آب و گل آدم ہنوز
(کلیات فارسی)

(ترجمہ: وہ پاک ذات جسے ہستی کے شبستان میں شمع کی حیثیت حاصل ہے یعنی جس کی وجہ سے اندھیرے کی جگہ اجالا ہوا۔ دنیا میں موجود رہی لیکن دنیا سے کوئی تعلق پیدا نہ کیا۔ جب آدم آب و گل میں تھے یعنی پیدا نہیں ہوئے تھے اس وقت حضور ﷺ کا جلوہ فرشتوں کے سینوں میں حرارت پیدا کر رہا تھا)۔

اوراق تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ جب تک مسلمان عشق مصطفیٰ اور حب مصطفیٰ ﷺ کی عظیم دولت سے مزین رہے وہ پوری دنیا پہ چھائے رہے ان کا پوری دنیا میں ڈنکا بجتا تھا وہ ہر طرف ہر میدان میں چھائے رہے اور پھر جب مسلمان اپنے مرکز یعنی ذات مصطفیٰ سے دور ہوتے گئے انہوں نے ذلیل و خوار ہونا شروع کر دیا اس زبوں حالی اور پستی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا اپنے مرکز سے رابطہ منقطع ہو گیا کیونکہ۔

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی

عشق رسول ﷺ جو کہ مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی بنیاد تھی اس کو مسلمانوں کے دلوں اور قلبوں سے نکالنے کے لئے غیروں نے بڑا کام کیا کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ یہ صرف عشق رسول ﷺ ہی ہے جو کسی کو تپتی ریت پر لٹاتا ہے کسی کو بیوی بچوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے یہ صرف عشق رسول ﷺ ہی تھا کہ مسلمان ہر کام کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے یہی عشق مسلمانوں کو ہر میدان میں کامیابی و کامرانی عطا فرماتا ہے لہٰذا سب سے پہلے اسے مسلم اُمت کے ذہن و قلب سے غائب کیا جائے علامہ اقبال اس پر یوں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

پھر کیا تھا اسلام دشمن اور استعماری قوتیں اس مقصد میں کامیاب ہونا شروع ہو گئیں مسلمان اس نعمت سے محروم ہو گئے بس یہی حال تھا جو علامہ بیان فرماتے ہیں۔

بجھی عشق کی آگ ... تحقیق کر لیا جاتا ہے اور ... فرماتے ہیں۔

زانکہ ملت راحیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست
روح راجز عشق او آرام نیست
عشق اوروز ہست کو راشام نیست
(کلیات فارسی پیام مشرق)

یعنی جس انسان کو عشق مصطفے ﷺ کی دولت مل گئی بحر و بر اس کی وسعت میں آگئے یہ اس لئے کہ ملت اسلامیہ کی زندگی حضورؐ کے عشق میں سے ہی وابستہ ہے نہ صرف یہ بلکہ پوری کائنات کا حسن و جمال آپؐ کے عشق کی مرہون منت ہے انسان کی روح کو حضورؐ کے عشق کے بغیر قرار نہیں مل سکتا اور حضورؐ کا عشق ایسے دن کی طرح ہے کس کی تابانی کو شام نہیں یعنی زوال نہیں ہے۔

اسی لئے وہ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی سے حضورؐ کا عشق مانگو کیونکہ۔

سر جھکا کر مانگ لے عشق نبیؐ اللہ سے
جذبہ سیف الہی، زور علی اللہ سے
عشق ختم الانبیاءؐ، تیرا اگر سامان ہے
زندگی کا ہر سفر تیرے لئے آسان ہے
تو صبا کی طرح کر سکتا ہے گلشن سے سفر
تازہ کر سکتا ہے پھر آئین صدیق و عمرؓ
ہاتھ میں لے کر یہ خنجر اور سپر قرآن کی
تو اگر چاہے بدل دے زندگی انسان کی
اے جوان پاک اٹھ گردش میں لا پھر جام کو
عام کر دے لاوالااللہ کے پیغام کو
(فتراک رسولؐ)

پھر ایک اور بڑی اہم بات جو ہمیں علامہ اقبال کے افکار و نظریات سے ملتی ہے آپ حضورؐ کی ہستی کو خدا کی دلیل قرار دیتے ہیں خدا کی ہستی کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ

''اس کے لئے مجھے کسی فلسفیانہ دلیل کی ضرورت نہیں میرے نزدیک اللہ تعالی کے وجود پہ سب سے بڑی دلیل یہ ہے میرے پیغمبرؐ نے جن کے متعلق ان

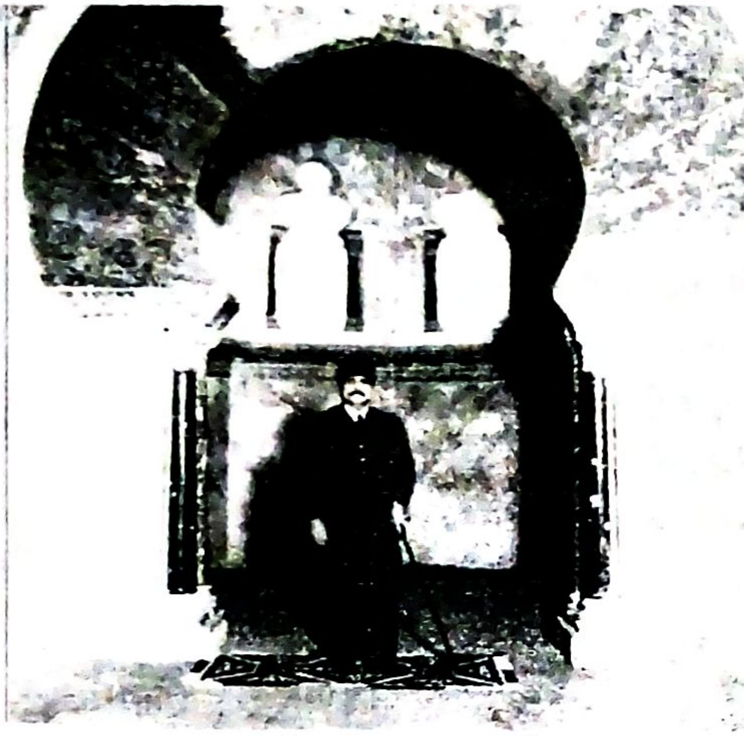

کے دشمن بھی کہتے تھے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب فرمایا ہے کہ ''خدا محمدؐ'' سے ہم کلام ہوتا ہے تو خدا کی ہستی یقیناً ہے۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

''عالم انسانیت کی وہ عظیم ہستی جس کو نبوت ملنے سے پہلے بھی لوگ صادق و امین کے لقب سے پکارتے تھے فرماتے ہیں کہ ''خدا موجود ہے'' اس لئے میرے نزدیک ایک خدا کی ہستی پر سب سے بڑی دلیل خود پیغمبر خدا، محمد عربی ﷺ کا اپنا وجود ہے (روزنامہ نوائے وقت ۲۴ اپریل ۲۰۰۲ء)

علامہ اقبال کو حضورؐ کے معجزات پر بھی پورا اعتقاد تھا آپ اگرچہ ایک فلسفی اور حکیم تھے اور اس بنا پر آپ کو بعض احادیث پر شک تھا لیکن نبوت پر انہیں جو اعتقاد تھا اس بنا پر وہ ان حدیثوں کو بلا تامل قبول کر لیتے تھے جس میں حضورؐ کے کسی معجزے کا ذکر ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے تعجب کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول کریمؐ اصحاب ثلاثہ کے ساتھ اُحد پر تشریف رکھتے تھے اتنے میں اُحد لرزنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبیؐ، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا کہ!

''اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے میں اس کو استعارہ و مجاز نہیں بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبیؐ کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں۔ مجازی طور پر

نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں'' (اقبال کامل از عبدالسلام ندوی، اقبال کا خصوصی مطالعہ از اے ایم خالد صفحہ ۷)

معجزات کے حوالے سے ایک واقعہ فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں کہ میرے عزیز دوست محمد محمود ۱۹۳۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے طالب علم تھے ان کا آبائی وطن سیالکوٹ ہے اور وہ شاعر مشرق کے ان خوشہ چینوں میں شامل ہیں جنہیں مرحوم سے بالمشافہ گفتگو کی سعادت حاصل رہی ہے ایک مرتبہ فلسفہ کے دوسرے طلبہ کے ہمراہ ڈاکٹر صاحب سے تبادلہ خیال کرنے اور علمی معلومات حاصل کرنے میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں ان کے پاس گئے اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نے پڑھا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب چلتے تھے تو درخت تعظیم سے جھک جاتے تھے ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہمارا نبیؐ انسانیت کے لئے نمونہ ہے لیکن قدرت کے مظاہر اگر نبی کے لئے اور ہوں اور ہمارے لئے مختلف تو پھر نبی نمونہ بن سکتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے بلا تامل جواب دیا کہ:

''واقعہ پڑھ کر ہمارا ذہن مختلف راستہ پر منتقل ہو گیا ہے اور تم الجھ کر رہ گئے ہو۔ قدرت کے مظاہر اور درختوں کے جھکنے میں یہ واقعہ تو حضرت عمرؓ کا عشق بتاتا ہے کہ ان کی آنکھ یہ دیکھتی تھی کہ درخت جھک رہے ہیں اگر تمہیں عمرؓ کی آنکھ نصیب ہو تو تم دیکھو گے کہ دنیا ان کے سامنے جھک رہی ہے۔'' (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ نومبر ۱۹۹۹ء)

علامہ اقبال کی ذاتی زندگی اور سیرت کا بڑا پہلو یہ ہے کہ وہ انتہا درجہ کی حد تک حضور نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے تھے جب ان کے سامنے آپ کا نام لیتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ان کو اس بات کا بھی بڑا خیال تھا کہ کہیں ان کی عمر حضورؐ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے چنانچہ حکیم احمد شجاع بیان کرتے ہیں کہ:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اقبال کو اپنی تاریخ پیدائش کے متعلق کچھ ایسا صحیح علم نہ تھا جب وہ ایک طویل بیماری کے باعث بہت زیادہ ضعیف ہو گئے اور اس وقت ان کا اندازہ تھا کہ ان کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر چکی ہے تو ایک دن انہوں نے مجھے کہا کہ اب میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری عمر ۶۳ برس سے زائد نہ ہو جائے اس لئے کہ حضورؐ کی عمر جہاں تک یقینی طور پر معلوم ہو سکا ہے ۶۳ برس کی تھی پھر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے بڑی دھیمی اور پرسوز آواز میں اپنا یہ شعر پڑھا۔

روز محشر اعتبار ماست او
در جہان ہم پردہ دار ماست او

(اسرار خودی ہفتہ روز فیملی ۱۷ تا ۲۳ جون ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۹ از یر مضمون اقبال کا قیام لاہور)

علامہ اقبال کو نعت مصطفےٰ سے بھی بڑی محبت تھی'' میرا اقبال میرا گرامی'' حفیظ جالندھری کے مطابق وہ اکثر حفیظ جالندھری سے کہتے کہ ہمیں کوئی نعت سناؤ۔ وہ سنانا شروع کرتے تو جھوم جھوم کر اور روتے ہوئے سنتے اور بعض دفعہ فرمائش کرتے کہ اس بند کو دوبارہ پڑھو۔ علامہ اقبال کو حضورؐ کی وجہ سے مدینہ منورہ سے بھی بڑی عقیدت و محبت تھی کیونکہ محبت کا تقاضا ہے کہ محب اپنے محبوب کے ساتھ نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت کرتا ہے۔ پھر مدینہ منورہ کی تو بات ہی کیا جہاں اللہ تعالیٰ کا پیارا حبیب جلوہ فرما ہے علامہ فرماتے ہیں۔

خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

(اسرار خودی)

یعنی شہر رسول (مدینہ منورہ) کی خاک دونوں عالموں سے بہتر ہے یثرب کتنا پیارا شہر ہے کہ جہاں ہمارے پیارے آقا جلوہ فرما ہیں۔ پھر مدینہ منورہ کی قدر و منزلت، عظمت و حرمت یوں بیان کرتے ہیں

وہ زمین ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفےٰ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگین
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی

علامہ اقبال کی طرف سے دیئے جانے والے القاب

شخصیت	لقب
مولانا جلال الدین رومی	خضر راہ حق
مولانا جلال الدین رومی	پیر عجم
شیخ سعدی	بلبل شیراز
سید جمال الدین افغانی	سید السادات
اورنگزیب عالمگیر	فرنگ آفریں
قرۃ العین طاہرہ	خاتون عجم
محمود شبستری	دانائے تبریز
نادر شاہ درانی	درویش بادشاہ
کارل مارکس	نغمہ بے جبریل
نطشے	مجذوب فرنگی
مسولینی	لوتھر بے انجیل
میکیاولی	شیطان کا پیغمبر

جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں
(بانگ درا)

علامہ اقبال کو حضورؐ سے کس قدر احساس ندامت تھا وہ علامہ کے ان درج ذیل اشعار سے ہوتا ہے جن میں علامہ اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ تو دونوں جہانوں سے غنی ہے اور یہ عاجز، گنہگار اگرچہ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن ان خطاؤں کے کچھ عذر بھی ہیں لہذا تو اپنے فضل و رحم میں سے میرے گناہوں کو معاف کرنا اور اگر قیامت کے دن میرا حساب لینا جب ناگزیر ہو جائے تو پھر اتنا رحم کرنا کہ میرا حساب نبی کریمؐ کی نگاہوں کے سامنے نہ لینا کیونکہ وہ میرے گناہ دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور میں ان کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا وہ اشعار یہ ہیں ۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیؐ پنہاں بگیر

اسی طرح ارمغان حجاز میں ایک جگہ اللہ تعالی سے بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ جب یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا ہر پوشیدہ چیز ظاہر ہو جائے گی جب اعمال کی باز پرس ہونے لگے تو ہمیں حضورؐ کے سامنے ذلیل و خوار نہ کرنا۔ ہمارے اعمال کی باز پرس آپ کی نظروں کے سامنے نہ کرنا کیونکہ ہم حضورؐ کے ملال کا سبب نہیں بننا چاہتے: ۔

بپایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورؐ خواجہ مارا
حساب من ز چشم او نہاں گیر
(کلیات فارسی ارمغان حجاز)

آخر میں ہم اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں وہ ہمیں حضور نبی کریمؐ کی سچی محبت نصیب فرمائے ہمیں اپنی زندگی حضورؐ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ یہی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے بقول اقبال ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

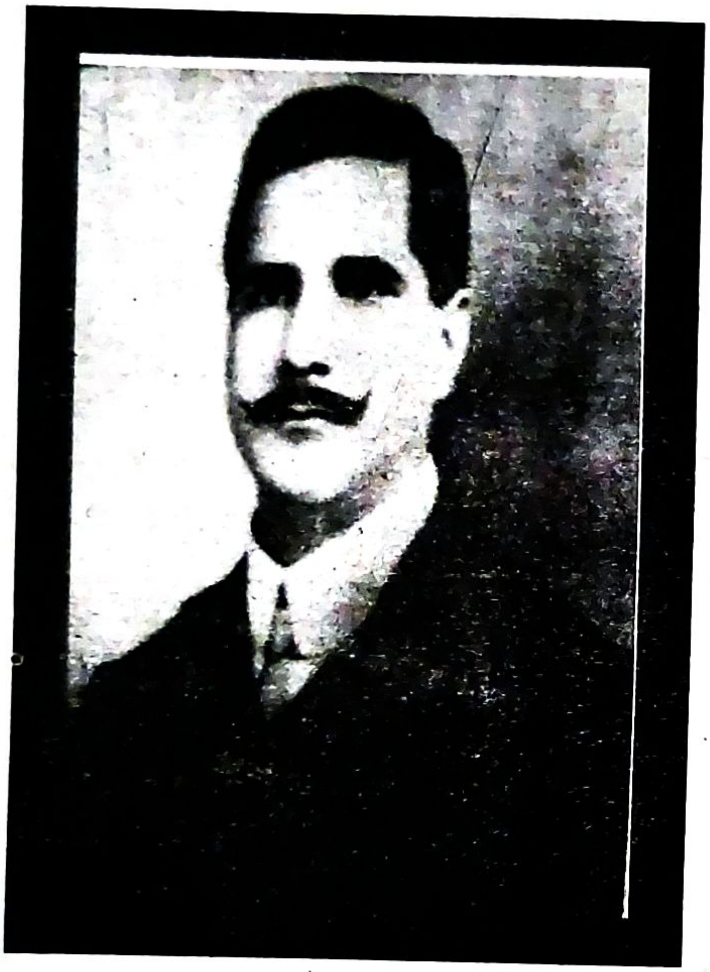

عصر حاضر علامہ اقبالؒ کی نظر میں

ڈاکٹر آغا یمین

آج ہم عصر حاضر پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں وہ کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ جس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے ایک سو برس پہلے اپنی فکر انگیز تصنیف ''بال جبریل'' میں بعنوان ''ابلیس کی عرضداشت'' ذکر کر دیا تھا۔ یہ صورت عصر حاضر کے ابلیس پر بھی صادق آتی ہے۔ ابلیس خدائے بزرگ و برتر سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''میں بہت خوش ہوں کیونکہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نکلا ہوں۔ کیونکہ میں نے ارباب سیاست کو جمہور کے ابلیسوں کی شکل میں تمام مشرق و مغرب میں ظلم و استبداد کی سپر پاورز بنا کر پھیلا دیا ہے۔ لہٰذا اب اس کرۂ ارض میں، تہ افلاک میری کوئی ضرورت باقی نہیں ہے۔ میں خوش ہوں کہ اپنا کام کر چکا ہوں۔''

علامہ اقبال کی دوررس نگاہی کا کمال یہ ہے

کہ جن ناموافق حالات کو انلی چشم بینا نے ایک سو برس پہلے سے دیکھ لیا تھا' بعینہ اس کا نقشہ آج ہم خود اپنی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی اہل مغرب کی غیر منصفانہ جمہوریت جسے مشرق کی شریعت ناپاک کہتی تھی' آج سپر پاور کی صورت میں موجود ہے۔

ان فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ان کا غیر منصفانہ نظام ہی درست ہے اور اس کا علم دہشت گردی نہیں لیکن اگر دنیا کے پسے ہوئے مظلوم انسان اپنے حقوق، انسانیت اور آزاد رہنے کا حق مانگتے ہیں تو وہ دہشت گردی ہے' یہی وجہ ہے کہ آج ابلیس کی حاکمیت چل رہی ہے اور وہ خوش ہے کہ میں نے اپنے جانشین سپر پاورز کی شکل میں' مشرق و مغرب میں چاروں

انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو مجھ بیٹھی ہے' تاریخ شاہد ہے کہ فرعون نے بھی کچھ اسی قسم کا دعویٰ کیا تھا لیکن خدائے ذوالجلال نے اسے اس کی دولت کے ساتھ جس پر اسے بہت غرور تھا زمین میں دفن کر دیا تھا اب کہاں ہے؟ وہ فرعون؟ اور کہاں ہے اس کی حکومت آج اس کی غیر منصفانہ حکومت کا بھی پردہ چاک ہو چکا ہے' اور جس طرح علامہ اقبال نے فرمایا کہ '' سلطنت' اقوام غالب کی ہے ایک جادو گری یعنی:

خواب میں بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب کشمیر کی

پر عمل پیرا ہونے کے لئے اپنی معرکۃ الآرا نظم ''طلوع اسلام'' میں یوں پیغام دیا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

اقبالؒ اور اسلامی نشاۃ ثانیہ

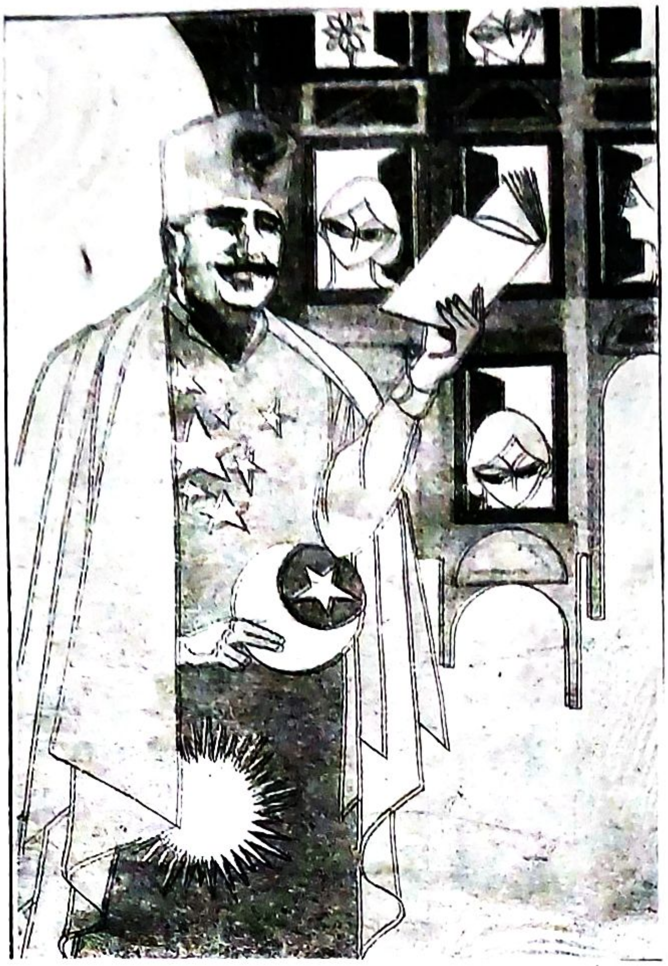

حامد علی نقوی

جب اسلامی نشاۃ ثانیہ کا ذکر آتا ہے تو ہمارا ذہن چودہ سو سال قبل مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

اقبالؒ نے مسلمانوں کی شجاعت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے علاوہ ازیں اس دور کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اُکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

ملت اسلامیہ کی بدولت تمام دنیا میں اسلام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ خوش حالی کا دور دورہ تھا حتیٰ کہ مسلمانوں میں کوئی خیرات لینے والا نہیں ملتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اسلام کے اصولوں پر کار بند تھے۔ سوائے اللہ کے کسی طاقت سے خوف نہ کھاتے تھے۔ اطاعتِ خداوندی اور مساواتِ محمدیؐ کی ایسی مثال جو اسلام نے پیش کی دنیا کی کوئی قوم پیش کرنے سے قاصر ہے اقبالؒ فرماتے ہیں۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
صاحب و بندہ محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ہمارا ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوتا تھا۔ دشمن کے سامان حرب اور تعداد کی ہماری نظر میں کوئی وقعت نہ تھی۔ ہم مٹھی بھر ہونے کے باوجود بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا جاتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ مومن کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، اکل حلال کے لئے تگ و دو کرنا بھی عبادت ہے لیکن افسوس ہم آہستہ آہستہ اسلامی تعلیمات سے غافل ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ ہمارا دین ایک، خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک پھر بھی فرقہ بندی کا شکار ہو گئے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

1908ء میں علامہ اقبالؒ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عزم لئے یورپ سے واپس آئے۔ یورپ کے قیام کے دوران اہلِ مغرب کی مادی ترقیوں کا مشاہدہ کر کے انہوں نے محسوس کیا کہ یہ تہذیب انسان کے روحانی اور اخلاقی زوال کا پیش خیمہ ہے۔ وہ ان خطرات سے بھی خوف زدہ تھے جو ایشیاء اور خصوصاً عالم اسلام کو اس تقلید سے پیش آ سکتے تھے چنانچہ انہوں نے مغربی تہذیب کی عیاریوں کا پول کھولنے کے لئے کھلے الفاظ میں اعلان کیا۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

قوم مسلم سے تو یہاں تک کہہ دیا۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

1912ء میں اقبالؒ مسلمانوں کی جان و مال کے عدم تحفظ، غیر یقینی اور غیر محفوظ مستقبل کے شدید احساس کے سبب بہت مغموم رہے۔ دسمبر 1929ء میں مسلم کانفرنس دہلی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"آج میں صاف لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں بحیثیت مسلمان زندہ رہنا ہے تو انہیں جلد از جلد پولیٹیکل پروگرام بنانا چاہیے۔" وہ مسلمانوں کی زبوں حالی اور پستی کو دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھے۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

1930ء میں اقبالؒ نے کُل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن پاکستان کا تصور پیش کیا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

"میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اسلام کے مطالعہ پر صرف کیا ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلم قوم کبھی اسلام کو بچانے کا باعث نہیں بنی بلکہ ہر نازک موقعے پر اسلام نے مسلم قوم کو بچایا ہے۔ جہاں دوسرے ملکوں کے قائدین اور مفکرین نے "اتحاد عالم اسلامی" کے تصور کو مقبول بنانے کے لئے بڑا کام کیا وہاں ہندوستان میں حکیم الامت علامہ اقبال علیہ رحمہ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اس مقصد کی تکمیل کے لئے نمایاں کردار ادا کیا۔

اقبالؒ نہ صرف خود مسلمانوں کے بین الاقوامی اجتماعات میں شریک ہوتے رہے بلکہ انہوں نے اپنے پیغام میں بھی اسلام کا درس ان الفاظ میں دیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے مذہبی شعور کو بیدار کرنے اور روحانی جذبات کو اُبھارنے کی ہمہ وقت کوشش کی۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی قوتِ ملّی کا راز صرف عقیدۂ توحید میں مضمر ہے کیونکہ اسلام نے ہی رنگ و نسل اور ملک و ملّت سے آزاد کر کے فکر و عمل میں ایک قوم بنا رکھا تھا۔ وحدت کو اسی جاہ و جلال سے قیصر و کسریٰ جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو زیر نگیں کر لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

اقبالؒ کا نظریہ اسلام اور آج کے مسلمان

محمد طارق

"پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام
یہ مسلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند"
(اقبال)

دینِ اسلام کے بارے میں علمائے کرام نے بہت کچھ لکھا اور کہا ہے، لیکن حقیقت اس کی روح کی وہی ہے جو قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔

"ورضیت لکم الاسلام دینا" "اسلام کے معنی سلامتی کے ہیں۔ اور اس پاک وصاف امن و سلامتی اور اطاعت و فرماں برداری کے ہیں جو اللہ پاک کے احکام کے عین مطابق ہو، اسلام ایک ایسی زندگی کی نشاندہی کرتا ہے جو موت کے بعد بھی باقی رہنے والی ہے۔ وقت کے مطابق اگر رہنمائی کرنے کی صلاحیت کسی دین میں ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔

"شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے"

اقبال کے ہاں اسلام حیات و کائنات کی ابدی صداقتوں کا دوسرا نام ہے۔ اس سلسلے میں جہاں تک موجودہ اسلام اور اس دور کے مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ سب اپنے مرکز سے بہت دور ہیں۔ اقبال اپنی شاعری کے ذریعہ اسی بنیادی مرکز میں زندگی ڈالنا چاہتے ہیں۔ ایک ایسی زندگی جو موت کے بعد بھی باقی رہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک دین کامل ہے اسی کی تعلیم

نے انسان پر دین کی اس اصل حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔اس کی تکمیل کے لئے ہر مسلمان میں خودی کا ہونا لازمی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی خودی جنہوں نے دین اسلام کو دنیا کے سامنے ایک مثالی نمونہ بنا کر پیش کیا، آپ کی خودی تمام انبیاء اکرم کے مقابلے میں زیادہ بیدار اور مضبوط تھی ۔یہ ہی وجہ تھی کہ آپ کی زندگی تمام انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ بن گئی اسلام کا مقصد انسانی زندگی کو کسی ایک صورت میں جامد کرنا نہیں، بلکہ ارتقاء وانقلاب کا ایک راستہ معین کرنا ہے۔جیسا کہ اقبال کہتے ہیں،

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

اقبال قرآن پاک کو ایک مکمل کتاب کہتے ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ فقط قرآن سے اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مستند احادیث کا حوالہ بھی دیا جائے تا کہ اس کے سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔ اقبال کے دل میں ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ایک ایسی جماعت پیدا ہو جو اس اہم کام کو سرانجام دے سکے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کو عوام کو دین اسلام کی خبر نہیں تو وہ بعض اوقات انتہائی مایوس ہو جاتے ہیں۔

اقبال کی نظر میں موجودہ دور کے پیروں کے ہاں بھی اب وہ حقیقی اسلام باقی نہ رہا جو انسان کے دل میں حقیقی جذبہ ایمانی کو بیدار کر دے جس کا روحانیت سے بہت کم واسطہ دکھائی دیتا ہے۔

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوز مشتاق
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

کرے گی داور محشر کو شرم سار اک روز
کتاب صوفی و ملا کی سادہ اوراقی

عجیب بات تو یہ ہے کہ اب مسلمانوں کی تسبیح و مناجات میں بھی روح باقی نہیں رہی۔ مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ میں تسبیح تو ہوتی ہے لیکن ان کے خیالات کہیں اور بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سوائے دانہ شماری کے اور کچھ کرتے بھی نہیں گویا ان کی یہ ایک عادت سی بن گئی ہے۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے وہ کسی ایک جگہ محدود ہونے کا نام نہیں، مسلسل عمل اور حرکت کا نام اسلام ہے۔ اسی سے دین میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔ ریاضیات کی حقیقت کی طرح اس کی صداقتیں بھی کائنات کے ہر شعبہ ہائے زندگی پر حاوی ہیں۔قرآن مجید نے اسلام کے ایک عالم گیر مذہب ہونے کو جابجا بیان کیا ہے جس طرح اس کائنات کی ہر شے اللہ کا ذکر کرتی ہے اسی طرح اس کی وسعت بھی ہر جگہ موجود ہے لیکن اگر اب یہ دیکھا جائے کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے اس کی وسعت کی کوئی حد مقرر نہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ اس حقیقت کے باوجود مسلمان عالم اسلام کے مالک نہ بن سکے۔ ان پر مسلسل مصائب کیوں آرہے ہیں اس کا جواب اقبال کچھ اس طرح دیتے ہیں کہ وہ اپنے مرکزی نقطہ نگاہ سے دور ہٹ گئے ہیں۔ اسلام اور اس کی حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں، قدرت کا ہمیشہ سے یہ قانون اپنی جگہ اٹل رہا ہے کہ جب مسلمان اپنے دین حق سے ہٹ جاتے ہیں تو اس سرزمین کا اقتدار کسی دوسرے کے حوالے کیا جاتا ہے، دنیا کے یہ تمام حقائق اقبال کی نظر میں موجود ہیں۔ انہوں نے اس کا بہت ہی قریب سے مطالعہ کیا ہے۔ ان ہی خیالات

کی عکاسی ان کے ہاں شکوہ اور جواب شکوہ میں بیان کی گئی ہے۔ شکوہ میں حقیقت میں اقبال نے موجودہ مسلمان قوم کے خیالات ونظریات اور ان کے قلبی احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان ہی کی زبان سے یہ شکوہ کیا ہے کہ اے خدا تو وہی ہے اور ہم بھی وہی ہیں تیرا دین بھی وہی ہے، ہم اسی رسول ﷺ کو مانتے ہیں اور اسی قرآن کو برحق جانتے ہیں لیکن اب اے خدا تیرا سلوک ہم سے وہ نہ رہا جو پہلے تھا اب تو یہ عالم ہے کہ تو ہمیشہ مسلمانوں سے ناراض ہے تیری رحمتیں اگر اب ہیں تو وہ غیر مسلموں کے ساتھ ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں،

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اس میں اقبال نے جس قدر بھی مسلمانوں کی جانب سے دعوے کئے ہیں ان ہی کی زبانی حقیقت میں سب بے بنیاد ہیں۔ اس لئے کہ تمام خوبیوں کے مالک ان کے اسلاف تھے۔ اب جو مسلمان باقی رہ گئے ہیں وہ صرف نام ہی کے ہیں۔ اعمال صالح اب ان میں باقی نہ رہے، جس کا تذکرہ وہ مختلف انداز سے جواب شکوہ میں کرتے جاتے ہیں۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سب ہی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ان تمام حالات کے باوجود بھی اقبال مسلمان قوم سے ناامید نظر نہیں آتے، انہیں یقین ہے کہ یہ قوم مستقبل میں ضرور ایک نہ ایک دن راہ راست پر آجائے گی، اس لئے کہ ہر قوم اپنے دین کو کبھی ترک نہیں کرتی ایک نہ ایک وقت اس پر ضرور ایسا آجائے گا کہ اس میں جان پیدا ہو جائے گی، پھر یہ ہی قوم مستقبل میں تمام عالم کی معمار ثابت ہو سکتی ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اقبال کا خیال ہے کہ دین و دنیا دونوں کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ زندگی تبدیل ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی خواہشات اور آرزوئیں تبدیل ہو چکی ہیں۔ اقبال اپنی شاعری سے ان میں پھر سے سحر انگیزی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک ایسی تبدیلی جس کی بنیاد دین اسلام سے عین مطابقت رکھتی ہو۔ اسلامی عقیدہ تو یہ ہے کہ تمام دنیا مر کر پھر زندہ ہو گی۔ اسی طرح وہ تہذیب جو اسلام کی تھی گرچہ کہ بظاہر وہ مٹ چکی لیکن بارش سے جس طرح مردہ زمین میں جان آجاتی ہے اسی طرح یہ امت پھر سے قوی اور طاقت ور بن کر تمام عالم پر حکمرانی کر سکتی ہے۔

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

اقبال کو مسلمانوں کا مستقبل نہایت ہی روشن دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اس دنیا میں خدا کا آخری پیغام ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں،

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

ان کا خیال ہے کہ اسلام اس کائنات کی صداقتوں کا نام ہے۔ توحید ہی حقیقت حیات و کائنات ہے۔ اگر یہ تصور مٹ گیا تو پوری انسانیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اقبال مسلمانوں کی اس موجودہ زندگی سے بیحد دل برداشتہ تھے۔ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ مسلمان کسی طرح پھر اس مقام کو حاصل کریں۔ جس کے وہ اصل مالک تھے۔ یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب وہ پھر سے اسلام کے ساتھ حقیقی رشتہ جوڑ لیں۔ اس لئے کہ وہ اسلام کے اس عظیم الشان انقلابی کردار سے بخوبی آگاہ تھے جو اس نے ہر دور میں نہایت کامیابی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اقبال تمام زندگی اپنی شاعری کے ذریعہ اسلام کی جانب حقیقی معنوں میں مائل ہونے کی ترغیب دیتے رہے۔ اسلام ایک سچا اور فطری دین ہے جو مسلمانوں کو اپنی تمام زندگی خدا کے احکام کے مطابق بسر کرنے کی دعوت دیتا ہے یہ ایک ایسا واحد مذہب ہے جو تمام زندگی کے معاشرتی آداب واخلاق، معاشی وسیاسی طریقے غرض زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں احکام واضح کرتا ہے، تاکہ اس طرح ہم اپنی دنیا و آخرت روشن کر سکیں۔ اسلام دوسرے مذاہب کے برعکس ترک دنیا کا تصور پیش ہی نہیں کرتا یہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہدایت و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کر کے تمام زندگی کو عبادت قرار دیتا ہے۔ اقبال کی تمام شاعری کی روشنی میں اگر ہم آج کے مسلمان کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہو گا کہ اقبال پھر بھی اپنی ملت سے ناامید نہیں، انہیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ ضرور ایک نہ ایک دن اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر سے حاصل کر لے گی وہ انسانی زندگی میں مسلسل عمل کی دعوت دیتے ہیں، ان کے ہاں عمل ہی کا نام زندگی ہے۔ جب زندگی میں سکون آجاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہی چاہتے ہیں مسلمان اپنے اندر وہ جذبہ پھر سے بیدار کریں جس کے وہ مالک تھے۔

شفیق احمد عزیز

اقبالؒ کا نظریہ ملت

ڈاکٹر اقبالؒ کا شمار برصغیر کی چند عظیم، مایہ ناز اور تاریخ ساز ہستیوں میں ہوتا ہے آپ نہ صرف شاعر تھے بلکہ عظیم مفکر، فلسفی اور مصلح قوم بھی تھے۔ آپ کی شاعری محض گل و بلبل اور شمع و پروانہ کی شاعری نہیں بلکہ اس میں زندگی سے بھرپور لگاؤ، جذبہ تسخیر کائنات، تکمیل خودی اور معراج انسانیت کے حصول کا جذبہ موجزن ہے۔ برصغیر کی غلامی نے بھی علامہ اقبالؒ کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ آزادی کے علمبردار کی حیثیت سے ابھارا، علامہ نے انفرادیت کی تعمیر و تکمیل پر بہت زور دیا اس لئے کہ بہتر افراد کی موجودگی سے بہتر معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ فرد کے اعمال اور کردار کا مجموعہ قوم کے کردار کی نشاندہی کرتا ہے۔ فرد کی تکمیل کے لئے اس نے جذبہ خودی کو ابھارنا ضروری سمجھا۔ جب درس خودی سے افراد کی صورت گری کر لی تو ایک گروہ عظیم تیار ہو گیا لیکن اس گروہ میں تنظیم کا فقدان تھا اقبالؒ نے افراد کو اس حالت میں بے یار و مددگار چھوڑنا گوارا نہ کیا وہ اس ناقہ بے زمام کو بے خودی کی تکمیل سے ایک قطار میں منزل کی طرف کھینچنے لگے فرماتے ہیں۔

من کجا و نغمہ کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقۂ بے زمام را

شاعری کے ابتدائی ایام میں علامہ مرحوم بھی ایک وطن پرست شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے تھے وطن کے گیت گائے اور ہندی قومیت پر فخر کیا اس موضوع پر کئی نظمیں آپ کے کلام میں موجود ہیں جن میں نظم ہمالہ، اور ''ہندی ترانہ'' بہت مشہور ہوئے آپ کی ابتدائی شاعری میں وطنیت اور قومیت کا رنگ غالب نظر آتا ہے لیکن جب فکر و نظر میں وسعت پیدا ہوئی تو انہیں اس حقیقت کا علم ہوا کہ مغربی تفکر کا صدف گہر سے خالی ہے اور اس کے سب اجسام محض خیالی ہیں۔ دراصل ڈاکٹر اقبالؒ مرحوم نے مغربی فلسفہ قومیت کو اس وقت ٹھکرا دیا تھا جب دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس کا چرچا عام نہ ہوا تھا آپ نے جان لیا کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض عالم اسلام کی دینی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں سمجھتیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے چنانچہ 1914ء کی جنگ عظیم کے فوراً بعد اس کا پرچار شروع ہو گیا تھا اس پرچار سے اسلام کی وحدت ملی پر کاری ضرب پڑی۔ اقبالؒ نے مسلمانوں کو فرنگی کے نظریہ قومیت سے آگاہ کیا کہ یہ نظریہ کیسے ملت اسلامیہ کے لئے زہر قاتل ہے جہاں تک حب وطن کا تعلق ہے اقبالؒ بھی اس سے لاتعلق نہیں وطن سے محبت کا جذبہ ایک فطری امر ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ وہ وطن کی خدمت اور وطن کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے پر نہ صرف یقین رکھتے تھے بلکہ وطن سے غداری کو ناقابل عفو تقصیر سمجھتے تھے۔ غداران وطن کو لعن طعن کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن

جغرافیائی لحاظ سے ہندی، افغانی، خراسانی اور تورانی ہونے سے ہر فرد کو اپنی جائے ولادت سے بے پناہ محبت ہوتی ہے لیکن مغربی نظریہ وطنیت کی اصطلاح میں ''وطن ایک اصول ہے ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا'' اور اس اعتبار سے مذہب کے اصول ہیئت اجتماعیہ سے متصادم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وطنیت اور قومیت جغرافیائی طور پر اپنی جگہ قابل احترام سہی لیکن جب یہ تصورات ملت اسلامیہ کی راہ میں راستے کا پتھر بننے لگے تو ڈاکٹر اقبالؒ کو مذہب کا کفن اور غارت گر کاشانہ ہندی قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے باخبر کرتے ہیں۔

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

جب آپ نے مسلمانوں اور خاص کر ہندی مسلمانوں کو فرنگی نظریہ قومیت کے جال میں پھنستے دیکھا تو بحیثیت مسلمان اور مصلح قوم یہ فرض سمجھا کہ انہیں اس کے نتائج بد سے آگاہ کر دیں۔

اقوام جہاں میں رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

علامہ اقبالؒ نے اسلام ازم کا نعرہ لگایا یہ نعرہ ان کے لئے بنا نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے سید جمال الدین افغانی یہ نعرہ بلند کر چکے تھے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے بھی مسلمان ایک جداگانہ وحدت ہیں ان کی وحدت دوسری تمام وحدتوں سے الگ اور اس قدر مختلف اور عالمگیر ہے کہ اس کے مقابلے میں قومیت کے دوسرے تمام نظریات وہی حیثیت رکھتے ہیں جو بہ یہ قومیت کے مقابلے میں قرون وسطی کی قبیلہ بندی کو حاصل ہے نسل پرستی کی کامیاب ترین مخالفت

اسلامُ نے کی ہے اسلام اور نسلی قومی امتیازات ایک دوسرے کی ضد ہیں عالم اسلام کی اس جداگانہ وحدت کو علامہ اقبالؒ ملت اسلامیہ کا نام دیتے ہیں

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

اسلام نے ملت یا امت کا جو تصور پیش کیا ہے وہ دوسرے تمام تصورات سے اس لحاظ سے ممیز ہے کہ اس تنظیم کا مرکز اللہ تعالیٰ ہے، اس کا آئین قرآن اور اس کے راہنما خاتم المرسلینؐ ہیں، اس کے دائرہ کار اور وسعت کا ذکر اقبالؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے

سید جمال الدین افغانی سے اقبالؒ تک جس پین اسلام ازم کا تصور ملتا ہے وہ ایک دوسرے سے سیاسی طور پر الگ اور بالکل آزاد اسلامی ریاستوں کا تصور ہے۔ اقبالؒ نے کبھی کسی سیاسی وفاق کی کوئی باقاعدہ تجویز نہیں پیش۔ کی علامہ کی طرح جمال الدین افغانی نے بھی جغرافیائی وطنیت سے انکار کیا ہے کسی کو یہ خیال نہ قائم کرنا چاہیئے کہ جو بار بار خاص طور پر مسلمانوں کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مقصود قرآن ہی کے حقوق کی حفاظت ہے اور ان کے غیر مسلم ہم وطنوں کے حقوق و مصالح کے جو صدیوں سے رشتہ وطنیت کی بنا پر ان میں باہم مشروط و مخلوط ہیں نظرانداز کر دینا ہے ایسا کرنا ہماری افتاد طبیعت اور رجحان کے بالکل خلاف ہے اور ہماری شان سے بالکل بعید ہے کیونکہ ایسا کرنے کی اجازت نہ تو ہمارے دین نے ہمیں دی ہے اور نہ شریعت کسی حال میں اس کو روا رکھتی ہے۔ ہماری غرض عام طور پر مشرقی قوموں کو ہوشیار اور بیدار کرنا ہے مشترک عمل کی حد تک جمال الدین افغانی نے زیادہ سے زیادہ جو کیا وہ یہ ہے کہ ایک بین الملی اسلامی کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کی اور یہی نظریہ ملت اقبالؒ نے یوں پیش کیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ کو یکجا کیسے کیا جائے؟ اس کا حل بھی اسلام نے اخوت و برادری کا درس دے کر پیش کر دیا۔ اخوت اسلام کا ایک امتیازی وصف ہے اور اس سے افکار و اعمال کی وحدت مقصود ہے اور افکار و اعمال کی وحدت سے قومی وحدت کو تقویت پہنچتی ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ ترجمہ۔ ''یعنی اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ رہے تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔''

تاکید فرمائی وہ کسی اور چیز کے لئے نہیں فرمائی۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

پھر درس اخوت دیتے ہوئے کہہ اٹھتے ہیں۔

ہوس نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

اخوت اسلامیہ ایک فطری ملکہ ہے اس میں کسی قسم کے تصنع و بناوٹ کا کوئی دخل نہیں اس میں دیگر اقوام کی طرح ظاہری اور رسمی اخوت کی بجائے حقیقی برادری کا مکمل نمونہ موجود ہے مادہ پرست اور مستبد اقوام کی جمعیت کو اقبالؒ اخوت تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر

قوم کی خوش حالی اسی اصول کی پابندی سے وابستہ ہے کیوں کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس میں فرد واحد کی عزت پوری قوم کی عزت ہے اور اس کی ذلت پوری قوم کی ذلت سمجھی جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ملت اسلامیہ کی حفاظت کے لئے جتنی

خاص ہے ترکیب میں ملتِ رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

جذبۂ اخوت ہی فرد میں اختیارات اور ذاتی قوت کا سچا احساس پیدا کرتا ہے اور صحت مند افراد سے صحت مند ملت تشکیل دی جا سکتی ہے ملت کی بنیاد مادیت کی بجائے روحانیت پر رکھی گئی ہے اس لئے ملت، وطن و قوم کی قید سے آزاد ہو کر آفاقیت اختیار کر لیتی ہے لیکن آفاقیت کے اس نظریہ کے باوجود مرکز کے بغیر ملت کی وحدت کو برقرار رکھنا ناممکن ہے اور وہ مرکز کعبہ ہے۔

قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش را دوام از مرکزے

عالمگیر وحدت کا درس دیتے ہوئے ڈاکٹر اقبالؒ اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

تو ابھی رہگذر میں ہے قید مقام سے گذر
مصر و حجاز سے گذر پارس و شام سے گذر

اقبالؒ مغربی فلسفہ قومیت کے زہریلے اثرات کو پھیلتے دیکھتے ہیں تو مسلمانوں کو اسلامی اخوت مساوات اور ایک مرکز کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

ڈاکٹر اقبالؒ قومیت و وطنیت کی رسمی حد بندیوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جانے پر زور دیتے ہیں کیوں کہ یہ نظریات اقبالؒ کی نظر میں ملت کی وحدت کے لئے بلائے آسمانی سے کم نہیں۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا

آپ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے گیت گاتے ہیں اور ملی آئین کی پابندی کو ان کی شوکت و دبدبہ کا باعث سمجھتے ہیں انہیں یاد دلاتے ہیں کہ وہ کیوں علاقائی حد بندیوں میں مقید ہو کر اپنی آزادی سے خود دستبردار ہوتے ہیں جغرافیائی تقسیم ان کے لئے کوئی معانی نہیں رکھتی بلکہ وہ اس قول کے مصداق ہوتے ہیں۔

ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدا ما است

لیکن ملی مفادات کی حفاظت اسی وقت ہو سکتی ہے جب افراد میں ذاتی مفادات کو قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے قید مقامی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

موثر ملی وحدت کی تنظیم کے لئے افراد کی تعمیر و ترقی پر بھی زور دیتے ہیں ساتھ ہی افراد کی کامیابی کا راز ملت سے وابستہ ہونے کو قرار دیتے ہیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، بیرون دریا کچھ نہیں

آپ نے ملت کے لئے ان خصوصیات کو ضروری سمجھا۔

۱۔ دستور العمل جو سوسائٹی کی جان ہے اس کے بغیر ملت کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے کیونکہ شریعت ہی ملت کے لئے دستور العمل ہے جب شریعت گئی تو ملت بھی گئی بقول اقبالؒ

ملت را رفت چوں آئین ز دست
مثل خاک اجزائے او از ہم شکست

۲۔ مرکز کے بغیر ملت کا تصور بھی ممکن نہیں، اسلامی ملت کا مرکز کعبہ اور بیت الحرام ہے۔

قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش راہ دوام از مرکزے
توز پیوند حریمے زندہ
تا طواف او کنی پائندہ

ملی روایات کی حفاظت بھی ایک ملی فریضہ ہے اس لئے یہ قوم و ملت کے لئے قیمتی سرمایہ ہیں۔ یہی وہ ملی روایات ہیں جو وقتاً فوقتاً مسلمان قوم کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئی ہیں جن قوموں نے اپنی ملی روایات سے بے اعتنائی برتی یقیناً وہ قعر مذلت میں جا گریں۔ علامہ اقبالؒ بھی ملی روایات کو زندہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

چیست تاریخ اے زخود بیگانہ
داستانے قصۂ افسانہ
ایں ترا از خویشتن آگاہ کند
آشنائے کار و مرد رہ کند

۴۔ ملت اسلامیہ کے لئے ایک ہی نصب العین ہے اور وہ اعلائے کلمۃ الحق خدائے بزرگ و برتر کی حکومت کا اعلان، کفر کا خاتمہ، اسلامی برادری میں اخوت، مساوات، عدل و انصاف وغیرہ کا درس بقول اقبالؒ

ملت از یک رنگی دلہا ستے
روشن از یک جلوہ ایں سینا ستے

خوش طبعی

علامہ اقبال بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور مزاح میں اپنی مثال آپ تھے اور بات بات میں کوئی نہ کوئی لطیف پہلو نکال لیتے تھے۔

یو پی کے مشہور تعلقہ دار شیخ محمد حبیب کے فرزند علی بہادر کم عمری میں ہی لندن چلے گئے تھے۔ پندرہ برس بعد لوٹے اور سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کے رکن کی حیثیت سے لاہور آئے تو علامہ اقبال سے بطور خاص ملے۔ علامہ اقبال نے ان سے پوچھا۔

"کیوں بھئی ولایت ہو آئے"؟

انہوں نے جواب دیا! "میں تو بچپن میں ہی انگلستان چلا گیا تھا"

یہ سن کر علامہ اقبال کی رگ ظرافت پھڑکی۔ مسکرا کر کہا پھر تو آپ کو یوں کہنا چاہیے۔

میموں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں۔

علی بہادر اس پر لاجواب ہو کر رہ گئے۔

(بحوالہ حیات علامہ اقبال امتیاز علی)

۵۔ رنگ ونسل کی قید سے آزادی بھی ملت اسلامیہ کی ایک خوبی ہے۔اسلام نے ہی اس کی شدومد سے بھرپور مخالفت کی اور اقبالؒ بھی اس تمیز کو جڑ سے پھینکنا چاہتے تھے

درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر مرا نہ دلی' نہ بخارا' نہ سمرقند

۶۔ تاریخ کے صفحات اسلامی مساوات کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں پھر ان مثالوں سے اقبالؒ کیسے بے تعلق رہ سکتے تھے فوراً کہہ دیا۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

یہی وہ صفات ہیں جو ملت کو مثالی بناتی ہیں اور ان ہی صفات نے اقبالؒ کو برصغیر سے نکال کر عالم اسلام کا شاعر بنا دیا ان کا کلام جتنا برصغیر میں مشہور ہے اتنا ہی ایران' افغانستان' ترکی اور روسی ترکستان میں مشہور ہے یہی وجہ ہے کہ ایرانی' ترکی' تاتاری اور افغانی سبھی اقبالؒ کو اپنا قومی شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کا علمی مقام آپ کی اخلاقی اور فلسفیانہ تعلیمات و تلقینات آپ کو جامع بشری کا ایک جلیل القدر فرد قرار دیتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ عالم اسلام اور مشرق کے لئے نابغہ کی حیثیت رکھتے تھے آپ ان منور الفکر اور بلند پایہ فلاسفروں میں سے تھے جو سارے کرۂ ارض کو اپنا وطن قرار دیتے ہیں اور عالم بشریت کو ایک ملت سمجھتے ہیں۔

اقبالؒ نے ملت اسلامیہ کے احیاء کے لئے بھرپور کوشش کی ان کی اسلام سے وابستگی رہتی دنیا تک قابل صد تقلید ہو گی آپ کی ملی خدمات کا انکار ممکن نہیں الغرض۔

ملت کو نئی زندگی اقبالؒ نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

☆☆☆

اقبال اور برطانوی نظام تعلیم

بشارت مجید رفیقی

یہ بتان عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ، نہ تراش آزادانہ

علامہ اقبال عظیم فلسفی و شاعر ایک ہمہ پہلو شخصیت کے مالک ہیں۔ اقبال کی شخصیت کے کئی رخ ہیں۔ ہر رخ کا ایک اپنا معیار اور مقام ہے۔ اقبال کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف ماحول کا چشم بینا سے مشاہدہ، وسعت نظر اور دور اندیشی ہے۔ وہ اپنے اردگرد رونما ہونے والے تغیرات زمانہ کو نہایت باریک بینی سے دیکھتے ہیں اور اپنی قوی بصیرت سے دقیق ترین حقائق کو جدت تراکیب، خوبصورت استعارات اور تلمیحات کے پیرہن سے آراستہ کر کے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ اقبال کی نظر میں تعلیم کا مقصد انسان کی کردار سازی، مضبوط معاشرہ کا قیام اور قومی روایات کو آنے والی نسل میں منتقل کرنا ہے جبکہ برطانوی دور میں تشکیل دیا گیا نظام تعلیم یہ سب کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ علم کا مقصد تکمیل انسانیت نہیں بلکہ روزی کا حصول تھا۔ اقبال فرماتے ہیں:

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کف جو

اقبال کی نظر میں طالب علم ایک معمار ملت کی حیثیت رکھتا ہے جس نے مستقبل میں اپنی محنت، ذہانت اور قابلیت سے اس کی تعمیر اس طرح کرنی ہے کہ اس کی ہنر مندی سے ملت کی تہذیب و روایات کا نقش روز بروز گہرے سے گہرا ہوتا چلا جائے اور ہر موڑ پر اسلاف کے ورثے کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے لیکن اقبالؒ نہایت رنج، دکھ اور افسوس سے ان طالب علموں کو" بتان عصر حاضر" کہتے ہیں جنہوں نے انگریزی نظام تعلیم کے مہلک اثر سے اپنی ظاہری شبیہہ کو تو چمکا لیا تھا مگر ان کا باطن، حقیقت، ادراک اور روحانیت سے غائیت درجہ دور تھا۔ اسی لئے اقبال انہیں عصر حاضر کے ایسے بت کہتے ہیں جن کے اندر نہ تو جوش، ولولہ اور طمانیت ہے اور نہ ہی ان کے کام میں آذر جیسی تراش خراش ہے۔

برصغیر میں مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کے ذریعے اسلامی ضابطۂ حیات سے دور کرنے کا ناپاک فریضہ سب سے پہلے لارڈ میکالے نے ادا کیا وہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن قانون ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم عامہ کمیٹی کا صدر بھی تھا۔ فروری 1835ء کو اس نے تعلیمی مسائل پر اپنی جو یادداشت گورنر جنرل کو پیش کی اس میں میکالے نے پرزور طریقے سے اپیل کی کہ ہندوستان کے سابقہ طرز کے علم و ادب کو سرے سے ہی ختم کر دیا جائے اور دفتری طبقہ جو انگریز افسروں کے ماتحت ہو ایسے افراد پر مشتمل ہو جو انگریزی تعلیم و ماحول میں پروان چڑھے۔

مغربی نظام تعلیم کے وضع کردہ نصاب میں انگریزی کو اہمیت دی گئی۔ عربی، اردو اور فارسی کی حیثیت برائے نام رہ گئی تھی۔ تعلیمی اداروں میں مسیحیت کی چھاپ تھی وہ علم سے زیادہ مسیحیت کی تبلیغ پھیلا رہے تھے اہل ہند اور خصوصاً مسلمانوں کو ان کی تعلیمات سے دور کر کے ان کی تہذیب و روایات سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ مسلمان بادشاہوں کے متعلق ایسا مواد نصاب میں شامل تھا جسے پڑھ کر طالب علم ان سے نفرت کرنے لگتے تھے۔ جمہوریت کے تصور میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نظریے کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور تاریخ کے مضمون میں ایسا مواد شامل کیا گیا کہ جسے پڑھ کر مسلمان اپنے آباؤ اجداد سے نفرت کرنے لگیں اور انگریزوں کو اپنے لئے مسیحا سمجھیں۔

اقبالؒ کی جوہر شناس نظر نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لئے ان تعلیمی اداروں میں وہ گوہر نایاب نہیں جو ان کے دلوں میں جذبہ ایمانی روشن خیالی اور خودشناسی کو فروغ دے اسی لئے وہ اپنی زندگی میں ایک ایسی درسگاہ چاہتے تھے جو مسلمانوں کو علوم جدیدہ اور علوم دینیہ سے بہرہ ور کرے۔ اقبال کے اس خواب کو پورا کرنے کے لئے چودھری نیاز علی نے اپنی زمین بھی وقف کر دی تھی۔ مسلمانوں کے تعلیمی مسئلے کی بابت اقبالؒ کس قدر فکر مند تھے اس کا اندازہ اقبال کے چند خطوط سے ہوتا ہے۔

اقبالؒ نے جامعہ ازہر قاہرہ کے ناظم اعلیٰ کو ایک مکتوب میں لکھا:

"ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ اور علوم دینیہ کے ماہرین کو یہاں جامعہ ازہر میں جمع کریں جو اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہوں اور مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی روح سے واقف کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔"

مگر افسوس! صد افسوس! اقبالؒ کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اقبالؒ مسلمانوں کو دی جانے والی مغربی تعلیم کا جائزہ لیتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں کہ:

"میرا یہ دعویٰ ہے کو دنیا کی کسی قوم نے ایسی اعلیٰ اور قابلِ تقلید مثالیں اپنے افراد میں پیدا نہیں کیں جیسی ہماری قوم نے پیدا کی ہیں لیکن اس نظام تعلیم کے زیر اثر وہ مغربی دنیا کا غلام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی روح اس خودداری کے عنصر سے خالی ہے جو اپنی قومی تاریخ اور قومی لٹریچر کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔"

اقبال جانتے تھے کہ یہ نظام تعلیم مسلمانوں کو ان کے مذہب سے دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور یہی ایک مسئلہ اقبالؒ کی روح کو ہر وقت تڑپائے رکھتا تھا۔ اقبالؒ مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ وہ مسلمان طالب علموں اور اسلامی تعلیمات کو کس قدر عزیز رکھتے تھے اس کا اندازہ مولانا عبد الماجد دریابادی کو لکھے گئے ایک خط سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام کے بعد انہیں لکھا:

آپ بھی کبھی وہاں جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگو کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں، مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ موجود ہے لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں سے نہیں جس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو۔"

اقبالؒ بطور چارہ گر مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ انگریزی نظام تعلیم کے تحت قائم کئے گئے سکول و کالج مسلمانوں کی پستی کا مداوا نہیں اور نہ ہی یہ مسلمانوں کو مقصد حیات، اسلامی تعلیمات اور خودشناسی سے آگاہ

کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم سے نہ مسلمانوں میں فقر جیسا وصف پیدا ہوتا ہے جو کہ ان کے اسلاف کی طرف سے چھوڑا ہوا بیش بہا قیمتی ورثہ ہے۔ ان تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل طلباء کی خودی پروان نہیں چڑھتی بلکہ ریت سے بنے ہوئے گھر کی طرح نیم ٹھوکر سے کیا ہوا کے تھپیڑے سے اپنا وجود کھو سکتی ہے۔ اسی لیے اقبالؒ کہتے ہیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اقبالؒ کی دوراندیشی دیکھئے کہ ہمارے ملک میں نصف صدی گزر جانے کے باوجود اس مہلک تعلیمی نظام کے اثرات ہمارے نظام تعلیم پر نمایاں اثر انداز ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم قابل اصلاح ہے۔ موجودہ حکومت جو نئی تعلیمی پالیسی تشکیل دے رہی ہے اسے چاہیے کہ نظام تعلیم ایسا تشکیل دے جو دین و دنیا کا بہترین امتزاج ہو۔ لوگوں میں خود آگاہی اور دین کی محبت کے ساتھ ساتھ حب الوطنی پیدا ہو۔ اقبالؒ کی فکر کو عام کیا جائے تا کہ ایک مضبوط اسلامی معاشرہ وجود میں آئے اور ہم اپنے تابناک ماضی کو ایک دفعہ پھر دہرا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائیں۔

آمین

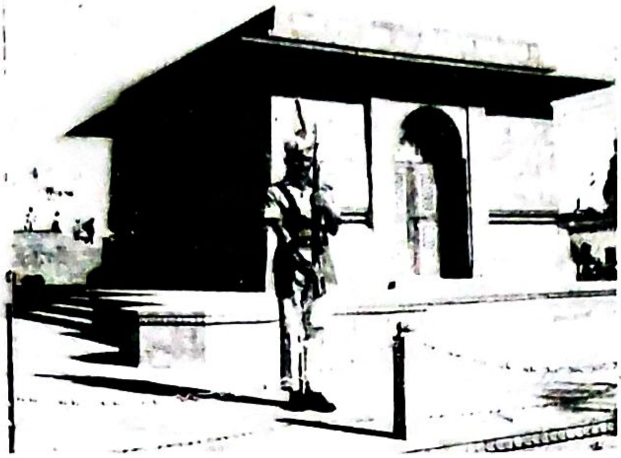

علامہ اقبالؒ کی وفات پر اوّلین اردو نظم

ڈاکٹر محمودالرحمٰن

شاعر مشرق، مفکر پاکستان، علامہ محمد اقبال نے برصغیر کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنے اور ان میں عزم و حوصلہ کی لہر دوڑانے کے سلسلے میں جو اقدامات کئے وہ ملت پر احسان عظیم ہے۔ انہوں نے انگریزوں کے ہر حربے سے قوم کو محفوظ رکھنے کی موثر تدبیریں سوچیں۔ مسلم عوام کے دلوں سے حزن و مایوسی کے اثرات دور کئے اور انہیں ان کی اصلیت سے آگاہ کیا۔ یہ علامہ تھے جنہوں نے اسلامیان ہند کو بتایا کہ وہ کیا ہیں اور ان کی رگوں میں کون کون سی قوتیں پنہاں ہیں۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

غرض علامہ کی ولولہ انگیز شاعری نے پشاور سے پدما تک اور کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلے ہوئے نو کروڑ مسلمانوں کے دلوں میں عزم و یقین کے شعلے فروزاں کر دیئے۔ ان میں حصول آزادی کی تڑپ پیدا کر دی۔ ان کے تشخص کو نمایاں کر دیا۔ فرنگ و ہنود کے دو طرفہ نرغے میں پھنسی مسلم اُمہ کو اس کی شناخت باور کرائی۔ برسوں سے چھائے ہوئے جمود کو اپنے روح پرور اشعار سے جہد و عمل کی لہروں میں تبدیل کر دیا اور ان کا یہ شعر تو جملہ مسلمانان برصغیر کا ''موٹو'' بن گیا۔

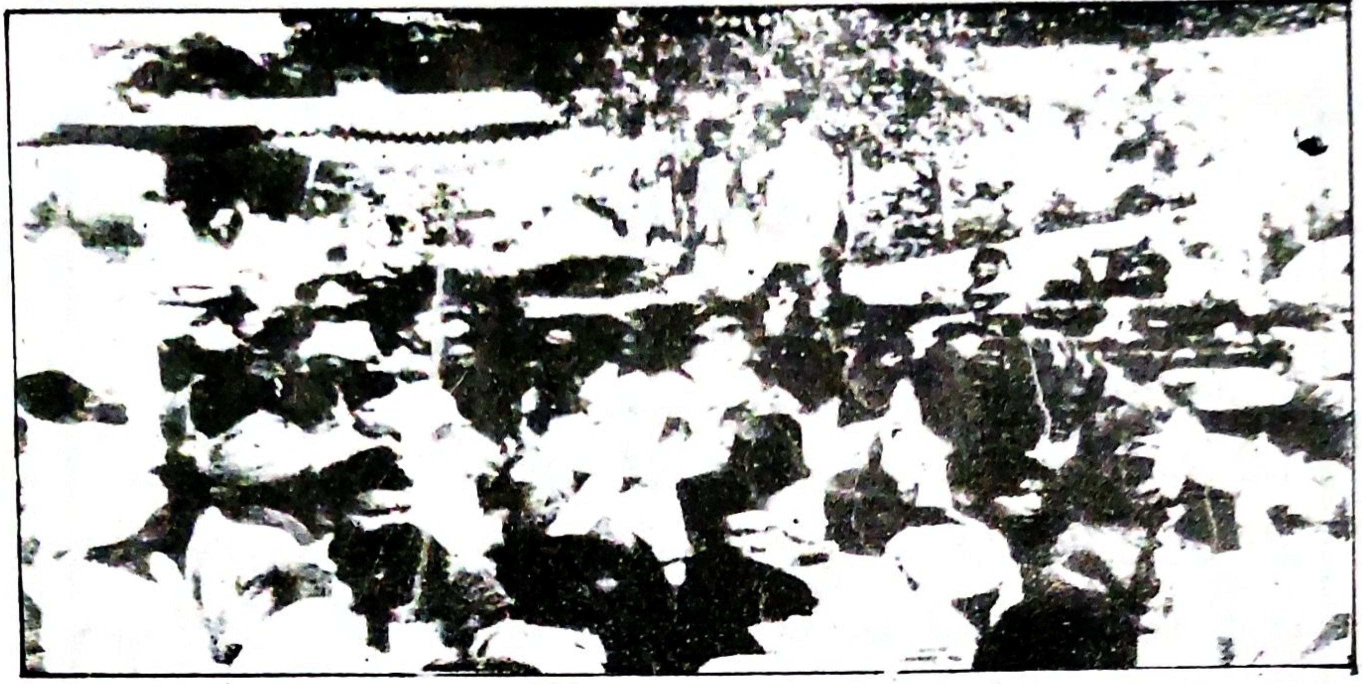

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

علامہ اقبال صحیح معنوں میں حریت پسند شعراء کے قافلہ سالار تھے اور جب ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح سالار کارواں عازم سوئے عدم ہوا تو اس سانحہ ارتحال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح غیر منقسم ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی۔ ہر شہر، ہر قصبے، ہر گاؤں میں تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے۔ شعرائے اردو نے علامہ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کئے۔ اخبارات نے اداریے اور مضامین شائع کئے۔ کئی رسائل کے خصوصی نمبر منظر عام پر آئے۔ غرض اس ضمن میں میں اردو کی اس تاریخی نظم کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو علامہ اقبال کی وفات پر سب سے پہلی مرتبہ موزوں کی گئی۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ بہار میں ایک دور افتادہ تاریخی مقام ہے جو بہار شریف کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں صاحب طریقت و شریعت مخدوم الملک شیخ شرف الدین کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ حضرت مخدوم مصنف کی حیثیت سے ایک بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔ ان کے فارسی مکتوبات ہر زمانے میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے گئے ہیں۔ جن کے اقوال اور فالنامے قدیم اردو کے نمونے قرار دیئے جاتے ہیں۔ مشہور محقق حافظ محمود خاں شیرانی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''پنجاب میں اردو'' میں مخدوم الملک کے قدیم اقوال، فالنامے اور دواؤں کے نسخے من و عن شائع کئے ہیں۔

اسی چھوٹے سے شہر میں اردو کے نامور غزل گو شاعر سید علی محمد شاد عظیم آبادی کے ایک شاگرد مولانا شاہ منظور الرحمٰن اختر کاکوی بہ سلسلہ مدرسی مقیم تھے۔ وہ ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کی شام اپنے بچوں کے ہمراہ قریب کے ایک پہاڑی مقام پر گئے ہوئے تھے۔ وہیں پہاڑ کی چوٹی پر فاتح بہار حضرت ملک بیا کا وسیع و عریض مقبرہ واقع ہے۔

دوسرے دن مولانائے موصوف کے ایک شاگرد سعدی نے آکر انہیں علامہ اقبال کے سانحہ ارتحال کی خبر سنائی۔ جناب اختر کاکوی پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ اسی پہاڑ کی ایک مستطیل جگہ پر مولانا عالم بیقراری میں ٹہلنے لگے۔ اسی کرب والم کی کیفیت میں مصرعے موزوں ہوتے چلے گئے۔ مذکورہ نظم جو رباعی کی بحر ہزج میں لکھی گئی ہے اور دو دو جدا شعروں پر مشتمل ہے، دوسرے دن اس تعزیتی اجلاس میں سنائی گئی جو گرونگ صغریٰ ہائی سکول بہار شریف کے نزدیک واقع وسیع و عریض وکٹوریہ ہال میں منعقد ہوا تھا۔ بعد ازاں یہ نظم ''بیاد اقبال'' کے عنوان سے اردو کے ممتاز ادبی جریدے ''ہمایوں'' لاہور میں شائع ہوئی تھی۔

میں مولانا اختر کاکوی کی مذکورہ بالا نظم کو اس لئے اردو کی اولین نظم قرار دیتا ہوں کہ یہ علامہ اقبال کی تجہیز و تکفین سے کئی گھنٹے پہلے موزوں کر لی گئی تھی۔ تقریباً سات دہائیاں پیشتر موزوں کی جانے والی نظم کچھ یوں ہے۔

بیادِ اقبال

(اردو میں علامہ اقبال کی وفات پر لکھی گئی پہلی نظم)

مولانا اختر کاکوی

سرمایہ علم و خرد و اہل فن
وہ شاعر بے مثل و یکتائے زمیں
پھیلی ہوئی روشنی تھی جس کے دم سے
افسوس کہ بجھ گئی وہی شمع سخن

اب قوم کی آنکھوں کا ستارہ نہ رہا
جس سے اردو کو تھا سہارا نہ رہا
سر پیٹ کے دنیائے ادب کہتی ہے
افسوس کہ اقبال ہمارا نہ رہا

غفلت میں تھی قوم اس کو خبردار کیا
خطرے سے قدم قدم پہ ہشیار کیا
ہر حال میں مذہب کا رہا دل سے خیال
مرتے ہوئے توحید کا اقرار کیا

اشعار میں وہ خودی بنانے والا
بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لانے والا
طوفان اجل کی گود میں سوتا ہے
منجدھار سے کشتی کو بچانے والا

جو قوم پہ جان اپنی فدا کرتا ہے
اپنے لئے سامانِ بقا کرتا ہے
مرتا ہے تو اس کے لئے بچہ بچہ
درگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہے

اقبال کی ہستی کو سحر سے پوچھو
اختر سے، شمس سے، قمر سے پوچھو
پوچھو غیروں سے یا نہ پوچھو لیکن
اقبال کے شعروں کے اثر سے پوچھو

گو ہم میں نہیں اب وہ فردوس مقام
پیغام حیات ہے مگر اس کا کلام
یہ آغاز مبارک تھا جہاں میں کس کا
صد شکر ہوا بخیر اس کا انجام

کب پنجۂ موت سے بھلا ڈرتے ہیں
ہنستے ہوئے دنیا پہ نظر کرتے ہیں
اللہ کے نام پر نکلتی ہے روح
مرنے والے جہاں میں یوں مرتے ہیں

حکیم الامت کی زندگی کے چند غیر معروف پہلو

کاثر حقانی مرحوم

(کاثر حقانی نے اس وقت پاک جمہوریت کے لئے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جب وہ سکول کے طالب علم تھے۔ اس وقت وہ توحید ربانی کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ پھر یہ سلسلہ ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا۔ زیر نظر مضمون انہوں نے "اقبال نمبر" کے لئے اگست کی پہلی تاریخوں میں لکھا مگر ۲ اگست ۲۰۰۴ء کو حرکت قلب بند ہونے سے عین جوانی کے عالم میں دنیا کی بہاروں سے رخ موڑ لیا۔

جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

ہم کاثر حقانی کے لئے دعائے مغفرت کے ساتھ ان کے لواحقین کے لئے صبر جمیل کے دعا گو ہیں)

ادارہ

مفکرِ اعظم، حکیم الامت، ترجمان حقیقت فارسی اور اردو کے بے مثل استادِ گفتار کے غازی، عالمگیر شہرت رکھنے والے چند ممتاز ترین شعراء میں سے ایک شاعر، شاعر مشرق کے کلام میں میر کا سوز، درد کی تاثیر و دلاویزی، غالب کی جدت و اجتہاد، مومن کی نازک خیالی، ذوق کی روانی و صفائی، شکسپیر کی فطرت نگاری، ملٹن کی پروازِ فکر، شبلی کی شیریں کلامی، ورڈس ورتھ کی نیچر پرستی، کولرج کی موسیقی، گوئٹے کی حکمت شعاری کا رنگ موجود تھا۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے نظریہ پاکستان پیش کیا اور بانیان پاکستان کی فہرست میں اپنا نام لکھوایا۔ علامہ اقبال کو ایک فلسفی وشاعر کی حیثیت سے تو سب جانتے ہیں لیکن ہم یہاں تاریخی حوالوں کی مدد سے ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی زندگی کے کچھ غیر معروف پہلوؤں پر بھی ایک نظر ڈالنے کی ایک کوشش کرتے ہیں۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کو ان کے بڑے بھائی عطا محمد نے تعلیم دلوائی تھی۔ علامہ اقبال کے ایک بھائی کمسنی ہی میں انتقال کر گئے تھے جبکہ دوسرے بھائی عطا محمد اوورسیر ایم ای ایس تھے۔ علامہ اقبال کی چار بہنیں (فاطمہ بی بی، طالع بی بی، کرم بی بی اور زینت بی بی) تھیں۔ علامہ اقبال نے اپنی تعلیم کا سلسلہ حسام الدین محلہ کشمیریاں سیالکوٹ کے مولانا غلام حسن سے درس قرآن لے کر شروع کیا تھا۔ اسکے بعد مولوی سید میر حسن کے پاس پڑھنے بیٹھے اور پھر ان کے والد نے مولوی میر حسن کے مشورے سے ان کو ۱۸۸۲ء میں اسکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں داخل کروا دیا۔ جہاں سے انہوں نے ۱۸۸۷ء میں پرائمری، ۱۸۹۰ء میں مڈل اور ۱۸۹۶ء میں میٹرک (امتحانی سنٹر گجرات میں بنا) کا امتحان پاس کیا اور تینوں امتحانوں میں وظائف حاصل کئے، ان کو میٹرک کے امتحان میں پاس ہونے کی اطلاع ان کی پہلی شادی کی تقریب بارات کی روانگی کے دوران (جب وہ سہرا باندھے گھوڑے پر سوار تھے) ملی۔ انہوں نے ایف اے کا امتحان ۱۸۹۵ء میں مرے کالج (اسکاچ مشن کالج) سیالکوٹ سے فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ بی اے کے امتحان میں دو مضامین (عربی اور انگریزی) میں یونیورسٹی میں اول آنے پر ان کو دو طلائی تمغے بھی انعام میں ملے، گورنمنٹ کالج لاہور ہی میں محمد اقبال نے ایم اے میں فلسفہ کے مشہور پروفیسر آرنلڈ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا اور ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی کے واحد امیدوار کی حیثیت سے ایم اے فلسفہ کا امتحان دیا۔

محمد اقبال نے ۱۹۰۱ء میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے امتحان میں شرکت کی اور ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے اور وہاں کی کیمرج یونیورسٹی کے "ٹرنٹی کالج" سے "فلسفہ اخلاق" کے مضمون میں ڈگری حاصل کی۔ نومبر ۱۹۰۷ء میں میونخ یونیورسٹی سے "ایران میں فلسفہ الٰہیات کا ارتقاء" کے موضوع پر پروفیسر فرنس ہول کی نگرانی میں

مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی (میر حسن الدین نے اس مقالہ کا اردو ترجمہ کر کے ۱۹۳۶ء میں نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن سے ''فلسفہ عجم'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کرایا)۔ ۱۹۰۸ء میں لندن (برطانیہ) سے بار ایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی۔ محمد اقبال نے قیام یورپ کے دوران لندن کے ''سکول آف پولیٹیکل سائنس'' سے بھی استفادہ کیا، جرمنی میں فرانسیسی، یونانی اور جرمن زبانوں میں ماہر دو خواتین پروفیسر فراؤ واٹ نائیٹ اور پروفیسر فراؤ سینے شال سے بھی فلسفے کی تعلیم حاصل کی وہ ۲۷ جولائی کو ایم اے، پی ایچ ڈی اور بار ایٹ لاء بن کر وطن واپس آئے۔ الہ آباد اور علی گڑھ یونیورسٹی نے انکو ''ڈی لٹ'' کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ علامہ اقبال کو ان کی موت کے بعد مختلف یونیورسٹیاں پچاس سے زائد اعزازی ڈگریاں جاری کر چکی ہیں۔

۱۳ مئی ۱۸۹۸ء کو محمد اقبال میکلوڈ عربک ریڈر اورنٹیل کالج لاہور میں لیکچرار مقرر ہوئے (اس وقت وہاں پروفیسر آرنلڈ پرنسپل تھے)۔ وہ وہاں ہفتے بھر کے اٹھارہ پیریڈز میں انٹرمیڈیٹ (سال اول دوم) کے طلباء کو فلسفہ اور بی او ایل کے طلبہ کو تاریخ و اقتصادیات کے مضامین پڑھاتے تھے۔ وہ ۳ جون ۱۹۰۳ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل کی سفارش پر حکومت (پروفیسر جیمز کی موت کے بعد) کی استدعا سے فلسفہ کی عارضی پروفیسری قبول کر لی۔ وہ وہاں ڈیڑھ برس تک پڑھاتے رہے لیکن انہوں نے وہاں سے پرنسپل کے ناروا سلوک کے سبب استعفٰی دے دیا۔

۱۹۱۴ء حیدر آباد سے سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کو قانون کی پروفیسری کے لئے بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ حیدر آباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کی پرنسپلی کی پیشکش کو بھی علامہ اقبال نے مسترد کر دیا۔ بعد میں علامہ اقبال نے وکالت ترک کر دی۔ وہ ۳۰ مئی ۱۹۳۳ء کو پنجاب مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

علامہ اقبال نے مڈل کی اردو کی کتاب اور میٹرک کی فارسی کی کتاب (آئینہ عجم) کا نصاب تعلیم احمد شجاع کے اشتراک وتعاون سے مرتب کیا جو پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ نے ۲۱ جنوری ۱۹۲۵ء کو منظور کیا، مڈل کلاسز میں ان کا مرتب کردہ نصاب ۱۹۴۷ء تک پنجاب کے سکولوں میں رائج رہا۔ علامہ اقبال نے افغانستان کے طلبہ کے لئے بھی نصاب تعلیم مرتب کرنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔

علامہ اقبال کی پہلی تصنیف ''علم الاقتصاد'' کو علم معاشیات پر اردو میں لکھی جانے والی پہلی کتاب کہا جاتا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ کی تحریک پر اورینٹل کالج میں پڑھنے کے دوران محمد اقبال نے پانچ حصوں اور بیس ابواب پر مشتمل یہ کتاب لکھی (علامہ شبلی نعمانی نے زبان کے متعلق اس کی قابل قدر اصلاح کی) لیکن یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۳ء اور دوسری بار ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

اقبال کا پہلا شعری مجموعہ جو ایک طویل مثنوی ہے۔ ''اسرار خودی'' (فارسی) کے عنوان سے پہلی بار ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ علامہ اقبال کی دیگر کتابوں کے نام یہ ہیں۔ بال جبریل (اردو)، ضرب کلیم (اردو)، رموز بیخودی (اسرار خودی کا دوسرا حصہ فارسی)، پیام مشرق (فارسی)، زبور عجم (فارسی)، جاوید نامہ (فارسی)، پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق۔

۱۹۳۴ء میں علامہ اقبال کو گرم دودھ میں سویاں ملا کر کھانے سے گلا بیٹھنے کی شکایت پیدا ہوئی تو حکیم عبدالوہاب انصاری عرف حکیم نابینا کے سردا تجویز کرنے پر افغانستان کی حکومت کی طرف سے سردے ان کو بطور تحفہ موصول ہونے لگے۔ اقبال کو تبخیر معدہ اور بدہضمی کی پرانی بیماریاں لاحق تھیں اور نقرس اور درد گردہ کی بھی شکایت تھی۔ علامہ اقبال نے تین اشخاص علی بخش، دیوان علی اور میاں محمد شفیع کی موجودگی میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو صبح چار بجے جاوید منزل میو روڈ میں زندگی کی آخری سانس لی، آخری لفظ اللہ منہ سے نکلا۔ ان کی نماز جنازہ بادشاہی مسجد میں ادا کی گئی اور انہیں اسی مسجد کے صدر دروازے کی بائیں جانب دفن کیا گیا۔ مزار کے لئے جگہ کا انتخاب چوہدری محمد حسین نے کیا، نقشہ حیدر آباد دکن کے ماہر تعمیرات زین یار جنگ نے بنایا۔ مزار کی تعمیر کا آغاز ۱۹۴۶ء میں ہوا اور ایک لاکھ روپے کے اخراجات سے فروری ۱۹۵۰ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ انجینئر بشیر احمد نے تعمیر کے لئے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر انجام دیں۔ مزار راجپوتانہ سے درآمد کردہ سنگ مرمر (اندرونی حصہ) اور سنگ سرخ (بیرونی حصہ) سے بنایا گیا ہے۔ دروازے سنگ مرمر کی جالیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت پاکستان نے تمام سرکاری سکولوں میں صبح کا آغاز علامہ اقبال، شاعر مشرق کی تحریر کردہ مشہور دعائیہ نظم ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' سے کرنے کا حکم جاری کیا تھا اور اس پر عمل درآمد اب تک جاری ہے۔

ہماری دستاویزی فلمیں

نمبر شمار	نام	دورانیہ
1-	علامہ اقبال 35MM/VHS (بلیک اینڈ وائٹ)	20منٹ
2-	آرکیٹیکچر اِن پاکستان 35MM/VHS	20منٹ
3-	آرٹ اِن پاکستان (انگلش) 35MM/VHS (بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ
4-	برتھ آف پاکستان (انگلش) 35MM/VHS (بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ
5-	کلچرل ہیری ٹیج آف پاکستان (اُردو) 35MM/Betacam	20منٹ
6-	چلڈرن آف پاکستان 35MM/VHS/U.Matic	20منٹ
7-	کری ایٹو ہینڈز (انگلش) 35 MM/U.Matic	30منٹ
8-	گندھارا آرٹ (انگلش) 35MM/U.Matic	20منٹ
9-	گریٹ ماؤنٹین پاسز اِن پاکستان (انگلش) 35MM	20منٹ
10-	گرین ٹرٹل اِن پاکستان (اردو، انگلش) 35MM/U.Matic/VHS	10منٹ
11-	جرنی تھرو پاکستان (اردو/انگلش) 23MM	20منٹ
12-	لیکس اِن پاکستان (اردو) 35MM	30منٹ
13-	ماؤنٹینز آف پاکستان (اردو) 35MM/VHS	20منٹ
14-	موہن جوڈرو (انگلش) 35MM	20منٹ
15-	مائنارٹیز اِن پاکستان (انگلش/اردو) 35MM/UHS/U.Matic	20منٹ
16-	میرتیج کسٹمز 35MM/VHS	20منٹ
17-	وائلڈ لائف اِن پاکستان (اُردو) 35MM	30منٹ
18-	مرزا غالب (اُردو) 35MM/VHS	80منٹ
19-	پاکستان، پاسٹ اینڈ پریزنٹ (انگلش) 35MM/VHS	30منٹ
20-	پاکستان، اے پورٹریٹ (انگلش) VHS/ UMatic /35MM	30منٹ
21-	کارپٹس (اردو) 35MM	20منٹ
22-	پی ایم اے کاکول (اردو) 35MM/U.Matic	30منٹ
23-	پاکستان پینوراما (اردو، انگلش، عربی) U.Matic/35MM	20منٹ
24-	ویلی آف سوات (اُردو) 35MM	20منٹ
25-	پاکستان سٹوری (اردو) VHS/ 35MM	70منٹ
26-	پاکستان، لینڈ اینڈ اٹس پیپلز (انگلش) 35MM	30منٹ
27-	پاکستان، پرامزنگ لینڈ (انگلش) 35MM/U.Matic	50منٹ
28-	قائداعظم (اُردو) 35MM VHS	30منٹ
29-	سوہنی دھرتی۔ پاکستان (انگلش) 35MM/ VHS اور U.Matic	30منٹ
30-	سینک بیوٹی آف پاکستان (اردو) 35MM	20منٹ
31-	دی انڈس ری ور (اُردو) 35MM	20منٹ
32-	انڈسٹریل گروتھ آف پاکستان 35MM	20منٹ
33-	ناردرن ایریاز (انگلش) 35MM	30منٹ
34-	جیم اینڈ جیولری (انگلش) 35MM/VHS /U.Matic	20منٹ

رابطہ برائے خریداری

مینیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز بی۔ الیف بلڈنگ زیرو پوائنٹ، اسلام آباد۔ پاکستان فون:-051-9202776 فیکس:-051-9206828

رجسٹرڈ نمبر CPL 304   20 تا 26 نومبر 2002ء   تار کا پتہ "جمہوریت" لاہور

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	150/=	$-05
2	قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	95/=	$-04
3	قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	اردو	95/=	$-04
4	قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء مجلد	انگریزی	425/=	$-17
5	قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء پیپر بیک	انگریزی	350/=	$-17
6	اقوالِ قائدؒ (مجلد/پیپر بیک)	انگریزی	50/=	$-03
7	جناحؒ اور ان کا دور (از: عزیز بیگ)	انگریزی	250/=	$-10
8	پاکستان۔فرام ماؤنٹینز ٹو سی (از: محمد امین/ڈنکن ویلس گراہم ہینکاک)	انگریزی	650/=	$-20
9	پاکستان۔چینی مصوروں کی نظر میں۔(ین ینگ اینڈ ژوہو)	انگریزی، عربی فرانسیسی، چینی	500/=	$-20
10	پاکستان ہینڈی کرافٹس	انگریزی	100/=	$-04
11	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 1997ء (مجلد)	انگریزی	450/=	$-17
12	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 1997ء (پیپر بیک)	انگریزی	400/=	$-15
13	مسلم آرٹ اینڈ ہیری ٹیج آف پاکستان (از: ڈاکٹر احمد نبی خان)	انگریزی	100/=	$-04
14	گندھارا آرٹ ان پاکستان (از: ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/=	$-04
15	وحدتِ افکار (علاقائی شاعری سے انتخاب)	اردو	100/=	$-04
16	اسلامی معاشرتی اقدار	اردو	15/=	$-01
17	پاکستان پکٹوریل (دو ماہی)	انگریزی	40/= فی شمارہ 200/= سالانہ	$-35 سالانہ
18	المصورہ (دو ماہی)	عربی	40/= فی شمارہ 200/= سالانہ	$-35 سالانہ
19	سروش	فارسی	15/= فی شمارہ 150/= سالانہ	$-20 سالانہ
20	ماہِ نو (ماہنامہ)	اردو	15/= فی شمارہ 150/= سالانہ	$-20 سالانہ

رابطہ برائے خریداری

مینیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز بی۔ الیف بلڈنگ زیرو پوائنٹ، اسلام آباد۔ پاکستان فون:- 051-9202776 فیکس:- 051-9206828